(۵۷)

احمدی عملی طور پر حصار کے مظلوم مسلمانوں کے مصائب میں مدد کریں

(فرمودہ ۸۔ اگست ۱۹۳۰ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

موسم کی تبدیلی کی وجہ سے جو پہاڑ سے میدان میں آنے سے ہوئی ہے مجھے کسی قدر بخار کی شکایت ہے اور جسم پر کچھ پُھنسیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہے اِس وجہ سے ڈاکٹر قاضی محبوب عالم صاحب نے جو یہاں تشریف رکھتے ہیں اور میرا علاج کر رہے ہیں انہوں نے کچھ وقت کے لئے مجھے آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ لیکن میں چونکہ اِسی غرض سے یہاں آیا تھا کہ باہر رہنے والے دوست جو ملاقات کے لئے قادیان آنا چاہتے ہیں اور ان کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوتا ہے اور یوں بھی باہر مہمانوں کی رہائش وغیرہ کا انتظام مشکل ہوتا ہے پھر وہاں جانے سے صرف ایک ہی فائدہ ہوتا ہے یعنی وہ مجھ سے ہی مل سکتے ہیں قادیان اپنی ذات میں جو فوائد رکھتی ہے ان سے متمتّع نہیں ہو سکتے مَیں ایسے دوستوں کی خاطر ہی یہاں آیا تھا اس لئے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ جمعہ کے دن کو بھی جب بہت سے لوگ باہر سے بھی تشریف لاتے ہیں اپنے آرام کے دنوں میں شامل کروں۔

اِس وقت مسلمانوں کی حالت جو کچھ ہو رہی ہے اگر ہم چاہیں تو اِس سے نگاہ بند بھی کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مأمور کے انکار کی یہ سزا ہے جو یہ لوگ بُھگت رہے ہیں ہمیں

ان سے کیا تعلق؟ اور ہماری جماعت میں سے کئی دوستوں کا یہ خیال ہے بھی۔ چنانچہ جب بھی کسی ایسے معاملہ میں جو بلحاظ فوائد مشترک ہوتا ہے ہم نے دخل دیا جماعت کا ایک حصہ اس پر معترض ہؤا یا اگر اعتراض کا لفظ سخت ہو تو میں یہ کہوں گا کہ اس نے مشورہ دیا کہ ہمیں ان سے بالکل علیحدہ رہنا چاہئے۔

لیکن دوسری طرف ایک اور نقطہ نگاہ ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں سے مذہبی لحاظ سے گو ہمارے تعلقات ایسے نہیں کہ ایک کا دُکھ دوسرے کو محسوس ہو یعنی ہم خدا کے سلوک میں مشترک ہو جائیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو ہمیں دکھ نہیں ہوتا بلکہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں کوئی گرفت ہو تو ہم بھی اس میں شریک ہوں یہ نہیں ہوسکتا۔ الٰہی سزا کے طور پر اگر ان پر کوئی مصیبت نازل ہو تو ہم اس سے مستثنٰی ہوں گے لیکن سیاسی طور پر یا تمدنی طور پر جو باتیں ہیں ان میں ہم ان سے کسی صورت میں بھی علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ اس نقطہ نگاہ کے ماتحت ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر ان کو کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچے تو ہم اس میں ان کے شریک ہوں گے۔ پس دنیوی لحاظ سے ہم ان کی عزت اور ذلت میں بھی شریک ہیں اس لئے ان کی حالت پر آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتے۔

یہ دو مختلف نقطہ ہائے نگاہ ہیں اور ہماری جماعت میں دونوں قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ میرا اپنا جیسا کہ کئی دفعہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں یہی خیال ہے کہ الٰہی سلوک میں تو بے شک ہم دونوں مشترک نہیں۔ خدا تعالیٰ کا جو سلوک ہم سے ہے ان سے نہیں اور جو اُن سے ہے ہم سے نہیں لیکن دنیا کے سلوک میں ہم دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ روحانیت کے جس رُتبہ پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فائز کیا ہے اور اسلام کے جس مقام پر ہمیں کھڑا کیا ہے انہیں وہ حاصل نہیں لیکن ایک ہندو یا ایک عیسائی جس مقام پر انہیں سمجھتا ہے اسی مقام پر ہمیں بھی سمجھتا ہے۔ دراصل مسلمان کی دو تعریفیں ہیں ایک حقیقت کے لحاظ سے اور ایک نام کے لحاظ سے۔ حقیقت کے لحاظ سے وہ تعریف ہے جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ہر جماعت اپنے متعلق یہ خیال کرتی ہے کہ روحانیت کا جو مرتبہ ہمیں حاصل ہے وہ دوسرے کو نہیں اور یہ ایک ایسی بات ہے جس پر کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ اگر یہ خیال نہ ہو تو پھر کسی کو علیحدہ جماعت قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ شیعہ، سُنّی اور دیگر فرقوں کی موجودگی کے معنے ہی یہ ہیں کہ ہر ایک فرقہ

اپنے آپ کو علیحدہ روحانی مقام پر سمجھتا ہے اور اس میں کیا شُبہ ہے ہر ایک یہی خیال کرتا ہے کہ جس مقام پر ہم ہیں وہ دوسروں کو حاصل نہیں وگرنہ کیوں نہ سب ایک ہی ہو جائیں۔

پس ایک تو اللہ تعالیٰ کا سلوک ہوتا ہے اور اس میں ہر فرقہ، ہر مذہب بلکہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک ہی فرقہ اور عقیدہ کے مسلمانوں میں سے بھی کوئی دو شخص ایسے نہیں ہو سکتے جو اسلام اور روحانیت کے ایک ہی مقام پر ہوں حتیٰ کہ پیر مُرید سے مختلف ہوتا ہے اور مُرید پیر سے۔ مگر ایک ظاہری مقام ہے جس میں سب وہ لوگ شامل ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ بھی مسلمان نام میں شامل ہیں اور اِس زمانہ کے وہ شرابی کبابی مسلمان کہلانے والے بھی جن کے اندر اسلام کے مغز کا کوئی بھی حصہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا نام بھی مُسلم رکھا ہے اور ننگِ اسلام بھی مُسلم کہلاتے ہیں۔ غرض نام کے اندر سارے کے سارے جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ نام کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے اور ان کے سامنے روحانیت نہیں ہوتی اس لئے وہ ناموں کے لحاظ سے ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ روحانیت کے لحاظ سے فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ کون حقیقی مسلمان ہے۔ دنیا کا تعلق ظاہر سے ہے۔ لوگ تو یہی دیکھتے ہیں کہ فلاں کہتا ہے میں مسلمان ہوں اس لئے وہ مسلمان ہے اور یہ غلط طریق نہیں۔ دنیاوی لحاظ سے یہی اختیار کرنا پڑتا ہے بلکہ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ ایسا کرو۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ نے کہا فلاں شخص کہتا تھا میں مسلمان ہوں تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب وہ کہتا تھا مَیں مسلمان ہوں تو اس سے مسلمانوں والا معاملہ کرنا چاہئے تھا۔[1]

پس ایک تو روحانی تعلق ہوتا ہے اور اس سے وابستہ امور کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ہوتی ہے۔ لیکن وہ امور جن کا تعلق جسمانیات سے ہے ان کا فیصلہ نام اور اقرار سے ہوتا ہے۔ اور اس نام کے لحاظ سے شیعہ، سُنّی، بوہرے، خوجے، شاذلی، ظواہر، بلکہ معتزلی بھی اگر اِس وقت موجود ہوں، اہل قرآن، اہلحدیث، غرضیکہ یہ ساری کی ساری اقوام کیونکہ یہ مذہب نہیں بلکہ اقوام ہیں مسلمانوں میں شامل ہیں۔ اس لحاظ سے ایک معتزلی بھی ویسا ہی مسلمان ہے جیسا کہ ایک احمدی اور ایک حنفی بھی ویسا ہی مسلمان ہے جیسا کہ وہابی اور ایک چکڑالوی یا اہلِ قرآن بھی ویسا ہی مسلمان ہے جیسا کہ ایک ظاہری۔ بے شک ان میں سے ایک تو قرآن کے ظاہری لفظوں کے پیچھے جا رہا ہے اور ایک حدیث کے ظاہری لفظوں کی اتباع ضروری سمجھتا ہے مگر سب کے سب

کہلاتے مسلمان ہیں۔ غیر اقوام والے جب مسلمانوں سے سلوک کرتے ہیں تو اسی لفظ کو مدنظر رکھ کر کرتے ہیں۔ اگر وہ صلح کرتے ہیں تو سب سے اور اگر لڑائی کرتے ہیں تو سب سے۔ اس لحاظ سے مَیں نے متواتر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سیاسی اور تمدنی لحاظ سے ہم دوسروں سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ پچھلے دنوں ایک صاحب نے تحریک کی تھی کہ احمدی علیحدہ نیابت کا مطالبہ کریں' شیعہ الگ اور سُنّی الگ۔ دوسروں کے متعلق تو مجھے معلوم نہیں کہ اس تجویز کو انہوں نے کس نظر سے دیکھا لیکن مَیں نے اسے بہت بُری نظر سے دیکھا کیونکہ اس سے سوائے تفرقہ اور شِقاق کو بڑھانے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا تھا۔ چاہئے تو یہ کہ جس حد تک ہو سکے اتحاد کا حلقہ وسیع کیا جائے اور اس لحاظ سے قرآن کریم نے تو اہلِ کتاب کا ایک حلقہ تجویز کیا ہے اور مشترکہ مقاصد میں انہیں متحد ہونے کی ہدایت کی ہے مگر بعض لوگوں پر یہ اتحاد بہت گراں گزرتا ہے خصوصاً ان لوگوں پر جو ہم سے علیحدہ ہوکر لاہور چلے گئے ہیں اور جنہیں لاہوری یا پیغامی غیر مبائعین کہا جاتا ہے۔ ان پر تو یہ اس قدر شاق گزرتا ہے کہ اگر اتحاد کا نام بھی لیا جائے تو وہ فوراً شور مچا دیتے ہیں کہ یہ فلاں کو کافر کہتے ہیں ان سے اتحاد کیونکر کیا جا سکتا ہے حالانکہ اس اتحاد کے معنے صرف یہ ہیں کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں تمام مسلمان کہلانے والے ایک ہو جائیں کیونکہ اس لحاظ سے ہم سب مشترک ہیں۔ لیکن جو اختلاف ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کہتے ہیں خدا تعالیٰ سے جو ہمارا معاملہ ہے وہ تمہارا نہیں۔ اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہر جماعت کا یہ دعویٰ ہے اور ہونا چاہئے کہ ہمارا خدا تعالیٰ سے جو تعلق ہے وہ دوسروں کا نہیں ہم اس سے بہت زیادہ قُرب رکھتے ہیں۔ لیکن ہندو کونسی ایسی ہستی ہیں کہ ان کے متعلق مقابلہ کیا جائے کہ ہم ان کے زیادہ مقرّب ہیں یا تم۔ خدا تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ اِس سے تعلق میں مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور اِس لحاظ سے ہم مقابلہ کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ہمارا جو تعلق ہے وہ تمہارا نہیں اور دوسرے بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن ہندو کے مقابلہ میں اگر اس بات کو پیش جائے اور کہا جائے ہم ہندوؤں کے مقابلہ کے لئے احمدیوں کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہندو ایسے بلند مقام پر ہیں کہ ہمارے ساتھ متحد نہ ہونے والوں کی خواہش ہے کہ ہندوؤں کا جو پیار ان سے ہونا چاہئے اس کے احمدی مستحق نہیں۔ پس یا تو ایسے لوگ شرارت کے نتیجہ میں ایسی باتیں کرتے ہیں یا پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کو ان کے نزدیک ایسی تقدیس حاصل ہے کہ وہ

انہیں خدا تعالیٰ کا قائم مقام خیال کرتے ہیں کہ ان کی خواہش ہے کہ ہندو اپنی برکات سے انہیں مستفیض کریں احمدیوں کو نہ کریں۔ وہ تنہا ہی ہندوؤں کے منظورِ نظر اور مقرّب کہلائیں احمدیوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ یا ہندوؤں کے مظالم ان کے نزدیک اس قدر پسندیدہ ہیں کہ وہ چاہتے ہیں ہندو اپنے جَور وستم کے تیروں کے لئے انہی کو مخصوص کرلیں' ملازمتوں سے انہی کو نکالیں' بائیکاٹ انہی کا کریں' احمدیوں کو ان مصائب وشدائد سے کوئی حصہ نہ دیں کیونکہ احمدی ان کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو اِس اتحاد کے مخالف ہیں حالانکہ ہم نے کبھی کسی کی منت خوشامد نہیں کی مگر ان کی ساری کی ساری عمر ہی خوشامدیں کرنے میں بسر ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ منتیں کرتے رہے ہیں خواہ اپنوں کی یا غیروں کی۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر باقی مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ اتحاد ہونا چاہئے۔ مگر سوال تو یہ ہے کیا صرف خیالات سے بھی کچھ ہوسکتا ہے خیالی پلاؤ سے انسان کبھی زندہ نہیں رہ سکتا اور خیالی روٹی خواہ کتنی لذیذ ہو پیٹ نہیں بھر سکتی۔ بے شک اگر یہ خیال پیدا ہوگیا ہے تو ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ شاید اِس پر عمل بھی ہو جائے مگر فائدہ اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک یہ خیال عملی جامہ نہ پہن لے اور ہم جب تک غیروں کے مقابلہ میں متحد نہ ہوں گے یہ خیال کوئی نفع نہیں دے گا۔ ہندوؤں کو ہم دیکھتے ہیں اگر ایک آدمی ان میں سے کہیں مارا جائے تو وہ اتنا شور مچاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوّوں کی قطار کو کسی نے چھیڑ دیا۔ سارا ہندو عالم چیخ وپُکار سے آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے لیکن مسلمانوں پر اگر کہیں مصیبت کا پہاڑ گر پڑے تو جانے دو سب فرقوں کے اتحاد کو۔ ایک جگہ کے حنفی کے گلے پر اگر چُھری چل رہی ہو تو دوسری جگہ کے حنفیوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں جب پشاور میں فساد ہؤا اور بہت سی گرفتاریاں بھی ہوئیں تو میں نے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو وہاں بھیجا کہ جا کر جس حد تک ہوسکے مدد کریں۔ یعنی جس حد تک لوگوں کا قصور سمجھیں انہیں سمجھائیں اور جس حد تک حُکّام کی زیادتی ہو انہیں توجہ دلائیں۔ ہم نے ان لوگوں کی مدد بھی کی' چندہ بھی دیا' گورنمنٹ کے آفیسروں سے ملاقاتیں بھی کیں اور پھر حکومتِ ہند سے بھی خط وکتابت کی لیکن چوہدری صاحب نے مجھے بتایا ان لوگوں میں جو سب سے بڑھا ہؤا احساس تھا وہ یہی تھا کہ مسلمانوں نے ہماری مدد نہیں کی اور ہندوؤں نے کی ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اگر اِس سے کوئی بہت چھوٹا واقعہ بھی ہندوؤں میں ہوتا تو تمام کے

تمام ہندو لیڈر وہاں پہنچ جاتے مگر مسلمانوں میں سے کوئی لیڈر وہاں نہ پہنچا۔ اخبارات نے بیشک ان کی تائید کی لیکن مُسلم اخبارات کی حالت ابھی ایسی ترقی یافتہ نہیں کہ تمام حلقوں میں اپنی آواز پہنچا سکیں۔ پٹھانوں کے اندر جنبہ داری کا خیال بہت راسخ ہوتا ہے اور اِس کے ماتحت وہ بعض شدید مذہبی اختلافات کو بھی بُھول جاتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایک قبیلہ کی دوسرے قبیلہ سے محض اس وجہ سے لڑائی ہو جاتی ہے کہ ہمارے قبیلہ میں رہنے والے ہندو کو تمہارے کسی آدمی نے کیوں چھیڑا۔ گویا بالکل ویسی ہی ان کی عادت ہے جیسی عربوں کی تھی۔ کہتے ہیں ایک شخص کے کھیت میں ایک کُتیا نے بچے دیئے ہوئے تھے کسی کے مہمان کی اونٹنی کے پاؤں سے ان میں سے ایک کُچلا گیا اِس پر قبائل میں جنگ شروع ہوگئی۔ ایسی طاقت کو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو ملک وقوم کے لئے بہت مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ انہی عربوں سے رسول کریم ﷺ نے دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی تو یہ جذبہ نہایت عُمدہ جذبہ ہوتا ہے بشرطیکہ اِس سے صحیح طور پر کام لیا جائے۔ اگر اس مصیبت کے وقت تمام ہندوستان کے مسلمان ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاتے تو بہت ہی مفید ہوتا اور اِن کے تعلقات ہندوستان کے مسلمانوں سے نہایت مضبوط ہو جاتے۔ یہ نہیں کہ انہوں نے غلطیاں نہ کیں ان سے بھی غلطیاں ہوئیں اور ہم نے ان کی کئی غلطیاں ان کو بتائیں اور نصیحت کر دی آگے ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ لیکن جس حصہ میں ان پر سختی ہوئی اس میں ہم نے ان کو مالی امداد بھی دی، اپنے آدمی بھی ان سے ہمدردی کے لئے بھیجے اور گورنمنٹ کو بھی توجہ دلائی۔ اگر یہی طریق سارے ہندوستان کے مسلمان اختیار کرتے تو ہر افغان کا دل جذباتِ تشکّر سے بھر جاتا اور وہ سمجھتا میں ایک ہندوستانی مسلمان ہوں اور آٹھ کروڑ مسلمانوں میں شامل ہوں۔ یہ بات اسے باقی مسلمانوں سے اِس قدر قریب کر دیتی جس کا واہمہ بھی نہیں ہوسکتا لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی طرف سے ایسا نہ کیا گیا۔ ۱۹۲۷ء میں لاہور میں جب چند بے گناہ مسلمان مارے گئے تو میں نے ان کی حمایت میں آواز بلند کی اور مسلمانوں کو ایسے مصائب کے وقت متحد ہونے کی طرف توجہ دلائی جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ایک آگ لگ گئی اور مسلمان ایک دوسرے کو اپنے جسم کا حصہ سمجھنے لگ گئے۔ لیکن بعض وہ لوگ جنہیں یہ اتحاد گوارا نہیں تھا یا وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ اتحاد احمدیوں یا مبائعین کے ذریعہ قائم ہو انہوں نے سمجھا یہ تو لیڈر بننے لگے ہیں ہمیں کون پوچھے گا اِس خیال سے اِس اتحاد کو تباہ کرنے کیلئے

انہوں نے وہ فتنہ کھڑا کرایا جو فتنہ مستریاں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دیکھ کر ہم خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ یہ میدان تم خود ہی سنبھالو۔ اِس کے بعد کئی واقعات ظہور پذیر ہوئے مگر میں نے رائے کا اظہار نہ کیا کیونکہ میں نے دیکھا ہمارے آگے آنے سے خود اِن کے اندر لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ شاید ہم الگ رہیں تو اِن میں اتحاد پیدا ہو جائے مگر اِس تین سال کے عرصہ میں یہ تحریکِ اتحاد بڑھنے کی بجائے کمزور ہوگئی ہے۔

پشاور کا واقعہ بہت اہم تھا مگر اِس کی طرف جو توجہ کی جانی چاہئے تھی اس کا ۱۰/۱ حصہ بھی نہ کی گئی۔ اب ایک اور نیا واقعہ ہؤا ہے جو فردی نہیں بلکہ ہمیں معلوم ہے کہ دیر سے اِس کا آغاز ہو چکا ہے اور اگرچہ مسلمانوں کو اِس کا علم بھی ہؤا پھر بھی انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ دیر سے افواہ ہے کہ ضلع حِصار میں کئی ہندو ایسے کھڑے ہو گئے ہیں جنہوں نے قسمیں کھا رکھی ہیں کہ جہاں کہیں کسی مسلمان پر ان کا قابو چلے گا اسے مار دیں گے یا لُوٹ لیں گے گویا بعینہٖ وہ اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جیسے سیوا جی نے کیا یا جو سکھوں کی شورش کے ایام میں ہوا۔ اکیلے دوکیلے مسلمانوں کو مار دیا جاتا ہے یا لُوٹ لیا جاتا ہے۔ اِس علاقہ کو اِس مار دھاڑ کے لئے اِس واسطے چُنا گیا ہے کہ وہاں ہندو زیادہ تعداد میں آباد ہیں اور یہ تجربہ ہو رہا ہے کہ کیا مسلمان اسے برداشت کریں گے یا نہیں کہ انہیں ہندوستان سے مٹا دیا جائے اور آیا ان کے خون کی کوئی قیمت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کچھ عرصہ تک انتظار کر کے مسلمانوں کو اور بے غیرت بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر پچھلی کوششیں کامیاب ہو چکی ہیں تو پھر انہیں مٹا دیا جائے۔ یہ جذبہ ہے جو ضلع حِصار کے فسادات کے پیچھے کام کر رہا ہے وگرنہ وہاں کون سی ایسی نئی بات ہے جو اور جگہ کے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور حِصار کے مسلمان کون سی ایسی حرکت کرتے ہیں جو بٹالہ، گورداسپور، لاہور، پشاور وغیرہ دیگر مقامات پر بسنے والے مسلمان نہیں کرتے۔ اگر ضلع حِصار کے مسلمان گائے ذبح کرتے ہیں تو سارے ہندوستان کے مسلمان ایسا کرتے ہیں۔ اگر وہ نماز پڑھتے ہیں تو سب جگہ ہی پڑھی جاتی ہے۔ اگر وہ اذان دیتے ہیں تو سب مسلمان ایسا کرتے ہیں بلکہ نماز اور اذان وغیرہ امور میں تو وہ شاید دوسرے مسلمانوں سے بہت پیچھے ہی ہوں۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ انہوں نے کیا قصور کیا ہے جس کی وجہ سے یہ سارا وبال ان پر پڑ رہا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں بھی جب شورش ہوئی تو پہلے انہی اضلاع سے اس کا آغاز ہوا تھا جہاں

مسلمانوں کی تعداد کم تھی یعنی وہ شرقی اضلاع سے پھوٹی تھی اور وسطی اضلاع میں پھیل گئی۔ وہی حالت اَب پھر پیدا ہو رہی ہے اور ہونے والی ہے۔ وہاں اُسی طرح دیکھا جا رہا ہے جیسے سیندھ یا نقب لگانے والا اندازہ کرتا ہے کہ اسے کام کرنے کے لئے کون سی جگہ موزوں بیٹھے گی۔ مسلمانوں کو قتل کیا جاتا یا لُوٹا جاتا ہے تو یہ قتل انفرادی نہیں بلکہ اِن سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے اندر بیداری ہے یا نہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ٹوہانہ ضلع حِصار میں دو شخص داخل ہو کر سرِ راہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر گزرنے والے سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان۔ ہندو کو گزرنے دیا جاتا ہے اور مسلمان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ سات مسلمانوں کو متواتر بازار میں گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن قاتل کو پکڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ کیا اِس کے صاف معنی یہ نہیں کہ وہاں کے ہندوؤں کی ہمدردی دراصل قاتل کے ساتھ تھی۔ یہاں قادیان میں اگر کبھی کسی ہندو کے ہاں چوری وغیرہ کی واردات ہو تو سب سے پہلے اس کی مدد کو پہنچنے والے احمدی ہوتے ہیں۔ وہاں اگر ہندو قاتل کے ہمدرد نہ تھے تو اُنہوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قاتل نے کئی ہندوؤں کو ہندو ہونے کی وجہ سے گزرنے دیا۔ پھر کیا یہ اُس کے پاس سے گزرنے والے اسے پکڑ نہیں سکتے تھے جبکہ پاس والے شخص پر بندوق سے فائر نہیں ہو سکتا۔ ان کا چپ چاپ سب کچھ دیکھتے رہنا اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ مسلمانوں کو قتل کرنے کا شوق ان کے دلوں میں بھی اِس قاتل سے کم نہ تھا۔ اور قاتل وہی شخص نہیں جس نے فائر کئے بلکہ وہاں کے وہ سب ہندو جنہیں اطلاع ملی اور خاموش رہے اِس واردات میں شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص اتفاقاً وہاں آ جاتا اور بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کر دیتا اور اِس طرح کچھ مسلمان بھی مر جاتے تو وہ اور صورت تھی لیکن ایک شخص آتا ہے اور ایک ہی دفعہ بے تحاشا حملہ نہیں کرتا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر اور ہر شخص کی اچھی طرح دیکھ بھال کر کے صرف مسلمان کو مارتا ہے۔ پھر وہاں سے جاتا ہے اور راستہ میں ایک مسلمان تحصیلدار اور ایک مسلمان چوکیدار کو تو ہلاک کر دیتا ہے لیکن ان کے ایک ہندو ساتھی کو چھوڑ دیتا ہے مگر کوئی اُسے پکڑنے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ پہلا واقعہ نہیں دیر سے سُن رہے ہیں کہ اِس علاقہ کے کئی ہندوؤں نے قسمیں کھا رکھی ہیں کہ جہاں بھی ان کا زور چلے مسلمانوں کو مار دیں گے اور وہاں اِکّے دُکّے واقعات آئے دن ہوتے بھی رہتے ہیں مگر مسلمانوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں مسلمان اخبارات چند ایک آرٹیکل لکھ دیں

گے مگر اس طرح جوش قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ ڈھاکہ میں فسادات ہوئے جن کے نتیجہ میں کئی مسلمان برباد ہو گئے۔ وہاں کے رؤسا کے دستخطوں سے میرے پاس چٹھی آئی ہے کہ مسلمان فاقوں مر رہے ہیں مگر دوسرے مسلمانوں کو کوئی پرواہ نہیں اور ان میں کوئی جوش پیدا نہیں ہوا۔ ایسے واقعات متواتر اور مختلف مقامات پر پیش آ رہے ہیں اور مقامات ایسے چُنے جاتے ہیں جہاں یا تو مسلمان ہیں تو زیادہ تعداد میں مگر ایسے کمزور ہیں کہ ان کو ڈرا کر مرعوب کیا جا سکتا ہے جیسے ڈھاکہ میں یا پھر ایسے مقامات جہاں ہندو جنگی اقوام آباد ہیں اور مسلمان تعداد میں بہت کم ہیں تا مسلمانوں پر رُعب ڈالا جا سکے۔ کیا ہی عجیب بات ہے کہ ۱۹۲۷ء میں مالویہ جی ایک مجلس میں شامل ہوئے وہاں یہ سوال پیش ہوا کہ سیاسی حقوق کا باہمی فیصلہ کر لیا جائے۔ اُس وقت پنڈت مالویہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور رقت کے ساتھ انہوں نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ہندو مسلمان تو ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور ہم یہاں بیٹھے سیاسی حقوق کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہندو مسلمانوں کو گلے ملاویں لیکن اس وقت وہی پنڈت مالویہ انگریز کے بائیکاٹ پر لیکچر دے رہے ہیں اور انہیں کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آیا ہوگا کہ ہندو مسلمانوں کو گلے ملانا چاہئے۔ اُس وقت ہندو مسلمانوں کے تفرقہ پر آنسو بہانا ہی ان کی قوم کے لئے مفید تھا اس لئے انہوں نے ایسا ہی کیا اور اب ان کے لئے یہی مفید ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ پنڈت مالویہ بینگن کے ملازم نہیں بلکہ راجہ کے ملازم ہیں کہتے ہیں کسی راجہ نے بینگن کی بہت تعریف کی اِس پر ایک درباری نے جو خوشامدی تھا تعریفوں کے پُل باندھ دیئے اور کہنے لگا حضور اس کی شکل ہی نہایت دِلرُبا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی صوفی زاویہ میں بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا ہے۔ لیکن کچھ دنوں تک بینگن کھانے سے راجہ کو بواسیر ہو گئی تو اس نے کہا میں تو بینگن کو اچھا سمجھتا تھا لیکن یہ تو تکلیف دہ چیز ثابت ہوئی۔ اس پر اسی درباری نے اس کی بُرائیاں بیان کرنا شروع کر دیں اور کہا حضور اس کی شکل ہی گھناؤنی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی چور کے ہاتھ منہ نیلے کر کے اسے پھانسی پر لٹکا رکھا ہو۔ کسی نے اسے کہا ابھی تھوڑے دن ہوئے تم اس کی اتنی تعریفیں کر رہے تھے اور آج اس کی برائیاں بیان کر رہے ہو۔ کہنے لگا میں راجہ کا ملازم ہوں بینگن کا ملازم نہیں ہوں۔ اسی طرح پنڈت مالویہ ہندو قوم کے نوکر ہیں اگر انہیں ہندوؤں کو مسلمانوں کے گلے ملانے میں فائدہ ہو یا ہندو قوم کے گلے زیادہ تعداد میں کٹ رہے ہوں تو وہ اس

قتل وخون ریزی پر زور دیں گے۔لیکن اگر گلے کاٹنے میں ان کی قوم کا فائدہ ہوتو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیں گے اور کہہ دیں گے جاؤ اگر تم گلے کاٹتے ہوتو کاٹتے پھرو۔

مسلمانوں میں صرف لیڈری کا شوق ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ تھوڑے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے دل میں درد ہے اور کام کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ تو بہت سے ہیں جو کام کر سکتے ہیں اگر پہلے لیڈروں کو پھانسی دے دی جائے تو وہ فوراً آگے آ جائیں گے لیکن جب تک لیڈری نہیں ملتی وہ میدان میں کبھی نہیں آئیں گے اور جب تک لیڈری کا شوق ترک کر کے مسلمانوں میں کام کرنے والے نہ ہوں گے کامیابی محال ہے۔

۱۹۲۷ء میں مَیں نے تحریک کی تھی کہ ہندو چونکہ مسلمانوں سے کھانے پینے کی چیزیں نہیں خریدتے اِس لئے جب تک ہندوان سے نہ خریدیں وہ بھی ان اشیاء کا ان سے خریدنا بند کر دیں۔ مگر مسلمانوں کی نازک حالت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہندوؤں نے اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کی ہستی ہی کیا ہے تم خود ان کو سودا دینا بند کر دو تو یہ بُھوکے مر جائیں گے۔ گویا وہ حربہ جو ساری دنیا کے لئے فائدہ کا موجب ہؤا کرتا ہے مسلمانوں کے لئے وہ بھی موجبِ نقصان ہوا۔ اب ایک طرف تو کانگریسی مسلمان لیڈر شور مچا رہے ہیں کہ مسلمان کانگریس کے ساتھ ہیں لیکن دوسری طرف یہ حالت ہے کہ ''پرتاپ'' ۳۔اگست لکھتا ہے ہندو مسلمانوں کی امداد کے بِنا سوراجیہ لے سکتے ہیں اور انہوں نے دکھلا دیا ہے کہ وہ لے سکتے ہیں انہیں مسلمانوں کی کیا خوشامد۔گویا وہی بات ہوئی کہ ''مرغی جان سے گئی اور کھانے والے کو مزا بھی نہ آیا''۔مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی کمزور ہوگئی ہے کہ دوسرے لوگ جس طرح مرضی ہوتی ہے ان سے معاملہ کرتے ہیں۔

میں اِس معاملہ میں حکومت کو بھی بَری نہیں سمجھتا اس کا فرض تھا کہ دو تین ماہ پیشتر واقعات سے پبلک کو آگاہ کر دیتی اور اگر چہ ان واقعات کی قانونی تو نہیں مگر اخلاقی ذمہ داری حکومت پر ضرور ہے کہ اس نے کیوں قبل از وقت لوگوں کو خبردار نہ کیا اور کیوں ان افسروں کو وہاں سے تبدیل نہ کر دیا جن کی شرکت عملاً یا خاموشی سے معلوم ہوتی تھی۔ وہاں ہندو افسروں کا جمگھٹا ہے مگر گورنمنٹ نے اِس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ضروری تھا کہ پبلک کو بھی آگاہ کر دیا جاتا اور گورنمنٹ خود بھی انتظام کرتی۔ ابھی تک بھی وہاں امن قائم نہیں ہوا اور نہیں ہوگا جب تک

مسلمان اور گورنمنٹ اپنی ذمہ داری محسوس نہ کریں گے۔ مسلمانوں کو پوری مستعدی سے کھڑے ہوکر اپنے بھائیوں کی امداد کرنی چاہئے پھر دیکھو کتنی جلدی یہ حالت بدل جاتی ہے۔ اگر تمام ہندوستان کے مسلمان یہ سمجھیں کہ ڈھاکہ اور حِصار کے مسلمانوں کو تکلیف نہیں پہنچی بلکہ ہمیں پہنچی ہے ان پر ظلم نہیں ہؤا بلکہ ہم پر ہؤا ہے تو دو تین ماہ کے اندر اندر ہی امن قائم ہوسکتا ہے۔ ہندو جس دن یہ سمجھ لیں گے کہ ان کمزور مسلمانوں کے بھی ہمدرد موجود ہیں اور ان کے لئے بھی کسی کے دل میں غیرت اور جوش پیدا ہوسکتا ہے تو معاً ہوش آ جائے گا اور عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ پس اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اپنے بھائیوں کا درد اپنے دل میں پیدا کریں۔

میں جہاں اپنی جماعت کو اِس بات کی تلقین کرتا ہوں کہ وہ سختی سے اپنے امتیازات کو قائم رکھے وہاں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اِس امر میں بھی دوسروں کے لئے نمونہ ہے کہ مذہبی عقائد کے اختلاف کے باوجود دنیوی اتحاد ہوسکتا ہے۔ احمدیوں کو چاہئے کہ دوسروں کو اس بارہ میں سبق دیں اگر کسی مسلمان پر مصیبت آئے تو وہ سمجھیں اُس پر نہیں' یہ مصیبت ہم پر آئی ہے۔ اگر ہر جگہ حنفیوں کی مدد کے لئے احمدی کھڑے ہوں تو یقیناً حنفیوں کے دلوں میں بھی غیرت اور بیداری پیدا ہوگی اور ایک نہ ایک دن وہ بھی ضرور اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے اُٹھیں گے۔

اس میں شُبہ نہیں کہ ہمارا کام تبلیغ ہے اور اگر اس میں کوئی روک پیدا ہو تو ہم اور سب کچھ ترک کر دیں گے اور اِسی طرف لگ جائیں گے لیکن بعض کام ایسے ہیں جو اِس میں روک نہیں بلکہ مُمِدّ ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو ملک میں شورش اور بھی بڑھے گی اور اگر فسادات اسی طرح جاری رہے تو تبلیغ کے رستے بھی رُک جائیں گے۔ پس اِس وقت ملک سے فساد دور کرنا اور امن قائم کرنا تبلیغ کا حصہ ہے۔ یہ تو ناجائز ہے کہ تبلیغ کو چھوڑ کر ہم اِسی میں لگ جائیں لیکن اگر ایک حد تک یہ کام بھی ساتھ ساتھ کرتے جائیں تو ضرور ہمارے لئے مفید ہی ہوگا۔ جس قوم پر مُردنی چھا جاتی ہے وہ مذہب کی طرف بھی کم توجہ کیا کرتی ہے۔ ہندو جوں جوں طاقت میں بڑھتے جاتے ہیں مذہب میں بھی پکے ہوتے جاتے ہیں لیکن مسلمان کمزوری کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی غافل ہو رہے ہیں۔ انتہائی درجہ کی فکر بھی انسان کو بے ایمان بنا دیتی ہے جیسے انتہائی درجہ کی راحت بنا دیتی ہے۔

میں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ عملی طور پر مسلمانوں کے مصائب میں ان

کے شریک ہوں۔ ان میں نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور غضب نازل ہوں بلکہ جو مصائب ان پر اس لئے آتے ہیں کہ وہ مسلمان کیوں کہلاتے ہیں ان میں ضرور ان کے ساتھ شریک ہوں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقی اسلام بہت ہی قیمتی چیز ہے مگر اس میں بھی کیا شُبہ ہے کہ اسلام کا نام بھی بہت پیارا ہے اور اس کا تعلق بھی بہت گہرا تعلق ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً کیوں فرماتا:۔

اے دل تُو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کآخر کنند دعوٰئے حُبِّ پیمبرم[2]

یہ شعر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامی شعروں میں سے ایک ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِن لوگوں کے احساسات کا بھی ضرور خیال رکھا کرو کہ یہ میرے رسول کی محبت کے دعویدار ہیں۔ پس حقیقتِ اسلام بہت پیاری چیز ہے اور اس کے بغیر خدا تعالیٰ سے تعلق قائم نہیں ہوسکتا مگر اسلام کا نام بھی بہت پیارا ہے۔ اور جس بات میں ان کا قصور نہیں اور جو مصیبت ان پر اس لئے نہیں آتی کہ وہ مأمور کا انکار کرتے ہیں یا قرآن کی پابندی نہیں کرتے بلکہ اِس وجہ سے آتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کیوں لفظِ اسلام سے منسوب کرتے ہیں اس میں ان کے ساتھ پوری پوری ہمدردی کرو۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو لوگ محض اسلام کے نام کی طرف منسوب ہونے والوں کو مٹانے کے لئے تیار ہیں وہ حقیقتِ اسلام پر قائم ہونے والوں کے کس قدر زیادہ دشمن ہوں گے۔ پس جو لوگ مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں وہ دراصل ان کے نہیں بلکہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہماری جماعت کو ایسا ہمدردانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے اور ایسے رنگ میں ان باتوں میں حصہ لینا چاہئے کہ جس سے مسلمانوں کے اندر غیرت پیدا ہو کہ یہ دوسرا فرقہ اور غیر ہو کر جب اِس قدر ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں۔ اگر ہماری جماعت اس میں نمونہ بنے تو بہت تھوڑے عرصہ میں بیداری پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ مت خیال کرو کہ ہم اتنے کام کس طرح کر سکتے ہیں خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسی حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ سارے کام کرسکتا ہے اور پھر جس جماعت کو وہ اپنے لئے چُن لیتا ہے اسے تو کام کرنے کی بہت زیادہ توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ آپ لوگ یہ ارادہ کرلیں کہ ہم ہر نیک کام میں حصہ لیں گے پھر خدا تعالیٰ بھی ہر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا

ہے۔اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[۳] کہ میں اپنے بندے سے ویسا ہی سلوک کرتا ہوں جیسی وہ مجھ سے امید رکھتا ہے۔ پس تم یہ خیال ہی کیوں کرتے ہو کہ ہماری طاقت کمزور ہو جائے گی یا مالی لحاظ سے کمزور ہو جائیں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا ہر نیکی کی توفیق دے گا اور ہر بلند مرتبہ پر فائز کرے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کو مایوس کرنا پسند نہیں کرتا۔

(الفضل ۱۴۔اگست ۱۹۳۰ء)

---

۱ مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللّٰہ

۲ درثمین فارسی صفحہ ۱۰۷

۳ مسلم کتاب التوبۃ باب فی الحضّ علی التوبۃ والفرح بھا